© rasailojaraid.com

انٹرویو: پروفیسر سید محمد وکیل شاہ

گفتگو: ڈاکٹر حافظ صفوان محمد چوہان

سید محمد ذوالکفل بخاری کے والدِ ماجد جناب پروفیسر سید محمد وکیل شاہ صاحب سے گفتگو کے ذریعے ذوالکفل بخاری کے بارے میں معلومات اور تاثرات قارئین کی نذر ہیں۔ (ادارہ)

صفوان: ذوالکفل کے بچپن اور تعلیمی حوالے سے کچھ بتائیں گے؟

شاہ جی: ذوالکفل کی پیدائش تو نانی اماں کے گھر میں ہوئی تھی، لیکن ہم نے اپنے بچوں کو دینی تعلیم سے آراستہ کرنے کے لیے خیرالمدارس ملتان میں مکان کرایہ پر لیا اور وہاں اپنی رہائش رکھی۔ ذوالکفل پیدائش کے وقت بہت کمزور تھا اِس لیے ہم نے اُسے حفظ میں نہیں لگایا۔ صحت اُس کی اِتنی اچھی نہ تھی۔ کفیل شاہ کو البتہ حفظ میں لگایا۔ گھر کے ساتھ ہی ایک چھوٹا سا بالکل پھٹیچر پرائمری سکول تھا، وہیں ذوالکفل کو داخل کرادیا گیا۔ اگرچہ وہ معیار کے اعتبار سے کچھ زیادہ اچھا سکول نہیں تھا لیکن چونکہ قریب تھا اور آنا جانا آسان تھا، اور چونکہ میری پوسٹنگ اوکاڑہ تھی اور میں یہاں نہیں ہوتا تھا، اِس لیے ایسا کیا گیا۔ تو یہ روزانہ سکول سے آکر اپنے اساتذہ کے کوئی لطائف بھی سنایا کرتا تھا۔ سکول میں داخلے سے دوسرے روز وہ پڑھ کر آیا تو اُس نے سنایا کہ آج استادِ محترم نے فرمایا کہ برسات کے موسم میں ہوا بند ہوجائے تو ''جَس'' ہوجاتا ہے۔ میں نے سبق کے بعد ہم جماعتوں سے کہا کہ یہ حَبس ہوتا ہے، جَس نہیں، تو وہ کہنے لگے کہ تو زیادہ پڑھا ہوا ہے؟ اُنھوں نے ماسٹر جی سے کہا کہ یہ نیا لڑکا جَس کو حِبس کہتا ہے۔ فرمانے لگے کہ یہ بھی ٹھیک کہتا ہے۔

والدہ اُس کو گھر سے باہر نہیں جانے دیتی تھیں۔ اِس لیے یہ واحد بچہ تھا جس نے بچوں کے ساتھ کھیل کود میں حصہ نہیں لیا۔ عبداللطیف صاحب ہمارے پڑوسی اور مولانا خیر محمد صاحب کے داماد تھے، اُن کے بچوں سے اِس کی شناسائی تھی۔ گھریلو ماحول میں والدہ اور بہنوں کی تربیت کی وجہ سے اِس کو بڑا شوق تھا کہانیاں وغیرہ پڑھنے کا اور سننے کا۔ چھوٹی چھوٹی کہانیاں لے کر آتا چار چار آنے کی، اور وہ پڑھتا رہتا۔ جب وہ ختم ہوجاتیں تو پھر اُن کو اکٹھی کرکے بیچ دیا کرتا تھا اور پھر نئی خرید لاتا تھا۔ اِس کی ساری سرگرمیاں گھر تک ہی محدود تھیں۔ گھر سے باہر اِس کا جانا ہوتا ہی نہ تھا۔

میں نے ذوالکفل کو پہلی جماعت میں داخل کرادیا لیکن اُس کی تعلیمی صلاحیت ماشاءاللہ اِتنی اچھی تھی کہ اُس نے پہلی جماعت میں داخل ہونا گوارا ہی نہ کیا اور کہنے لگا میں تو دوسری جماعت میں پڑھوں گا۔ پھر میں نے ایجوکیشن آفس سے منظوری لے کر اُس کو دوسری جماعت میں داخل کروایا۔ اُس کے ہیڈ ماسٹر صاحب بھی یہی کہتے تھے کہ اِس کو دوسری جماعت میں داخل ہونا چاہیے۔ بہرحال وہاں اُس نے پرائمری کی۔ اُس کے بعد پھر وہ عبدالغفور انوری صاحب مرحوم کے نواسے خبیب کے ساتھ پڑھنے جاتا تھا۔ اُس کو اسلامیہ ہائی سکول عام خاص باغ میں داخل کروا دیا۔ وہاں اُس کی تعلیم بالکل ٹھیک جارہی تھی۔ میٹرک میں اُس نے سائنس کے مضامین کا انتخاب کیا۔ دسویں میں ایک نئے ٹیچر علی احمد پائلٹ سکول سے ٹرانسفر ہوکر وہاں پہنچے۔ اُنھوں نے دیکھا کہ اِس بچے میں ادبی ذوق زیادہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے۔ اُن دنوں اُس نے نظمیں لکھنی شروع کر دی تھیں اور مضامین بھی لکھتا تھا۔ تو اُنھوں نے اِس کو یہ کہا کہ تم اگر سائنس کی بجائے آرٹس میں آتے تو تمھاری بورڈ میں کوئی پوزیشن ہوتی۔ یوں اُس کی دلچسپی سائنس میں کم ہوگئی۔ وہاں سکول میں اُس کی نمایاں پوزیشن ہوتی تھی۔ جب اُس نے میٹرک کا امتحان دیا تو میں نے اُس کے ہیڈ ماسٹر صاحب سے کہا کہ پریکٹیکل میں اِس کا خیال رکھیں۔ ہیڈ ماسٹر صاحب نے کہا کہ ذوالکفل اُن بچوں میں سے ہے جن پر ہمارے سکول کی نیک نامی کا انحصار ہے۔ ایسے بچوں کا تو ہم لوگ خود خیال رکھتے ہیں۔ آپ کو کہنے کی ضرورت نہیں۔ بہرحال میٹرک میں اچھے نمبر آ گئے۔ اِس کے بعد اُس کا ذہن سائنس سے اچاٹ ہوگیا۔ وہ چاہتا تھا کہ میں آرٹس میں چلا جاؤں لیکن اُس کے دوست اور ہم جماعت خبیب کو اُس کی والدہ نے کہا کہ تمھیں ضرور سائنس رکھنی ہے۔ چنانچہ خبیب نے ذوالکفل کو بھی مجبور کیا اور اُس نے سائنس مضامین کے ساتھ گورنمنٹ کالج بوسن روڈ میں داخلہ لے لیا۔ اُس نے ایف ایس سی تو پاس کی لیکن نمبر ایسے نہیں تھے کہ اِس فیلڈ میں آگے جا سکے۔ اِن دنوں میری سروس سول لائنز کالج ملتان میں تھی۔ میں اُس کو وہاں لے آیا۔ یہاں اُس نے بی اے بڑے اچھے نمبروں سے پاس کیا۔ اِس کے بعد وہ ازخود ایک بہتر اور صحیح سمت پر چل نکلا تھا۔

ذوالکفل گورنمنٹ کالج بوسن روڈ میں جتنا عرصہ رہا، مختلف اخبارات اور مجلّات میں مضامین لکھتا رہا۔ اُس کے اساتذہ اُس کی صلاحیتوں سے بہت متاثر تھے اور خصوصی توجہ رکھتے تھے کہ یہ بچہ تھوڑی عمر میں اِتنا آگے جا رہا ہے۔ وہ جن دنوں سول لائنز کالج میں پڑھتا تھا تو پروفیسر تاثیر وجدان صاحب یہیں ہوتے تھے، اُنھوں نے بھی اُس کی ہمت بڑھائی۔ یہ اُن کے اندازے سے بھی آگے بڑھتا چلا گیا۔ الحمدللہ ذوالکفل نے تعلیمی میدان میں بڑی کامیابیاں حاصل کیں۔ میٹرک کا امتحان دیا تو میں نے کہا نتیجہ آنے تک تم خطاطی سیکھ لو تا کہ تمھارا خط اچھا ہو جائے۔ چنانچہ اُس نے دو تین ماہ خطاطی سیکھی اور اُس کا خط کافی اچھا ہوگیا۔ جب بھی اُسے فرصت ہوتی تو فارغ نہیں بیٹھتا تھا۔ لکھنے پڑھنے میں مشغول ہو جاتا یا پھر کسی نئے امتحان کے بارے میں سوچتا تھا۔ ایم اے انگلش کیا۔ پھر بی ایڈ کیا۔ پھر ایل ایل بی کیا۔ پھر نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز اسلام آباد سے انگلش لینگویج میں ڈپلومہ کیا اور علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی سے TEFL کیا۔ ڈاکٹر اسلم انصاری صاحب نے ذوالکفل سے کہا کہ آپ ایم اے اردو کریں، میں ایم اے انگلش کرتا ہوں۔ ذوالکفل نے کہا ٹھیک ہے۔ پھر اُس نے ایم اے اردو بھی کر لیا، لیکن اسلم انصاری صاحب نے ایم اے انگلش نہ کیا۔ شاید اُنھوں نے ذوالکفل کو مہمیز کرنے کے لیے ایسا کہا ہوگا۔ تعلیمی میدان کی سرگرمیوں میں ایک تو اُسے اساتذہ اچھے ملے، کچھ گھر کا ماحول ملا۔ اور اُس کی کوئی اور مصروفیت تھی ہی نہیں سوائے پڑھنے پڑھانے کے۔ وہ تو سراپا تعلیم کا ہی ہو کر رہ گیا۔ اساتذہ اُس سے مطمئن تھے۔ بچپن میں شرارتوں والا سلسلہ ہی نہیں تھا۔ گھر میں بڑے بزرگوں، تحریک پاکستان میں نامور لوگوں اور علما کے کردار کی باتیں سن سن کر اُس کا ذہن بہت پختہ ہوگیا تھا۔ چنانچہ کسی موضوع پر گفتگو شروع ہو جائے تو وہ خوب گفتگو کرتا اور شرکائے مجلس سے بحث کرتا، بلکہ لوگوں بحث میں الجھا کر لطف اندوز ہوتا تھا۔ خیر المدارس کے ماحول میں بھی اُسے کچھ ساتھی ایسے مل گئے جیسے مولانا ازہر صاحب، عبدالمنان صاحب وغیرہ۔ اِن سے اُس کا بڑا گہرا تعلق تھا۔ اِسی طرح وہ مدرسہ کے تمام اساتذہ کا بڑا احترام کرتا اور اُن سے ملتا جلتا رہتا۔

صفوان: ذوالکفل کی شاعری ہو یا نثر، دونوں میں مذہبی، سیاسی اور معاشرتی حوالوں کے گہرے مشاہدے کی خوبی نظر آتی ہے۔ یہ باتیں ہمارے عام نصابِ تعلیم میں نہیں ملتیں۔ یہ انفرادیت اُنھوں نے کیسے حاصل کی؟

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شاہ جی: میں سمجھتا ہوں کہ بنیادی طور پر تو اُسے یہ خوبی اپنی والدہ کی طرف سے ہی ملی۔ والدہ بچوں کو گزرے دور کے وہ سارے قصے اور واقعات سناتی تھیں جنھیں وہ اپنی آنکھوں دیکھ چکی تھیں، کیونکہ شاہ جی رحمہ اللہ کے گھر میں نامور مذہبی اور سیاسی رہنماؤں کے علاوہ ادیب وشاعر بھی آتے تھے۔ یہ بڑے شوق سے وہ ساری داستانیں سنتا تھا۔ سید ابوذر بخاری رحمہ اللہ، ہمارے بڑے بھائی صاحب، نے اُس کے ذوق کو دیکھ کر اُس کی تربیت میں بڑا رول ادا کیا اور وہ اُس کی بہت حوصلہ افزائی کرتے رہے۔ اُن سے تو اکثر جا کر ملتا تھا اور وہ اُس کا بڑا استقبال کرتے تھے۔ کہتے تھے کہ ''آیئے علامہ صاحب تشریف لایئے، کوئی نئی بات سنایئے۔'' پھر وہاں گفتگو کا سلسلہ چل نکلتا۔ بھائی جان سید ابوذر بخاریؒ سے اُس نے بھرپور استفادہ کیا۔ بھائی عطاء المحسن مرحوم نے بھی اُس کی بڑی سرپرستی کی۔

صفوان: ذوالکفل کا شاعری کی طرف رجحان کیسے ہوا؟

شاہ جی: یہ رجحان طبعی تھا۔ جیسے آپ کو بتایا، کہ نویں دسویں کلاس میں پہنچنے سے پہلے ہی وہ لکھتا لکھاتا رہا۔ اُس کے ابتدائی شعر اور اُس کی نظمیں، ایک دو جو ملی ہیں، وہ سکول کے زمانہ کی ہیں۔ لیکن لٹریچر کی طرف اُس کا میلان خاندانی حوالوں سے زیادہ طبعی طور پر تھا۔

صفوان: ذوالکفل کے کمرے میں ہر طرح کی کتابیں ہوا کرتی تھیں۔ آپ بتا سکیں گے کہ خاص طور پر کس قسم کی کتابیں اُن کے زیرِ مطالعہ رہیں؟

شاہ جی: میرے خیال میں تمام موضوع برابر چلتے رہے کیونکہ ہر موضوع پر اُس کے پاس کتابیں تھیں۔ یہ ضروری نہیں ہوتا تھا کہ وہ صرف شاعری کی طرف توجہ دے اور دوسرے موضوعات کو چھوڑ دے۔ ہمہ پہلو اُس کا شوق چل رہا تھا۔

صفوان: تعلیمی سفر میں آپ نے ذوالکفل کی کسی خاص جہت میں سمت نمائی کی یا کرنا چاہی؟ جیسے مقابلے کا امتحان دینا وغیرہ۔

شاہ جی: نہیں، میں نے ایسا کبھی نہیں سوچا۔ میں چونکہ اوکاڑہ میں رہتا تھا اور کبھی کبھار ملتان آتا تھا۔ ۱۹۸۲ء میں ٹرانسفر ہوکر یہاں (ملتان) آیا۔ اِس سے پہلے تو وہاں تھا۔ جب کہ ذوالکفل کی علمی تربیت بھائی جان مرحوم (سید ابوذر بخاری رحمۃ اللہ علیہ) کے زیرِ سایہ ہوتی رہی۔ اُس کی والدہ بھی تھیں۔ تیسرے نمبر پر بھائی عطاء المحسن مرحوم تھے۔ بھائی عطاء المحسن بخاری باقاعدہ شاعر نہیں تھے، لیکن طبیعت موزوں ہوتی تو شعر کہہ لیتے۔ کفیل شاہ نے اُن سے کہا کہ آپ کے اشعار کے اوزان میں کہیں جھول محسوس ہوتا ہو تو کسی شاعر سے مشورہ کر لیں، اسلم انصاری صاحب کو دکھا لیں۔ تو محسن مرحوم کہتے کہ چھوڑو یار! بس ہمارا علامہ جو ہے، یہ کافی ہے ہمارے لیے۔ ہاں بھائی علامہ بتاؤ......تو ذوالکفل اُن کی شاعری کی نوک پلک بھی درست کر دیتا۔ یہ بھی ایک تربیت تھی۔ مطلب ہے کہ اِس قسم کا ماحول تھا کہ کسی اور طرف اُس کی توجہ گئی ہی نہیں۔ پڑھنے پڑھانے تک ہی محدود رہا۔ ویسے بھی وہ جسمانی طور پر اِتنا پہلوان تو تھا ہی نہیں، کمزور ہی تھا۔

صفوان: ذوالکفل اپنے بہن بھائیوں میں شعر و ادب کے ذوق میں ممتاز تھے۔ جب سب بچوں کو ایک جیسا ماحول ملا تو یہ ایک بچہ آگے کیسے بڑھ گیا؟ گھر کی کچھ اور باتیں بھی بتا دیں۔

شاہ جی: جی ہاں! سب سے ممتاز یہی رہے۔ بلکہ بہنیں بھی اُس سے رہنمائی لیتی تھیں۔ کبھی کبھار کوئی بات پوچھنی ہوتی کہ یہ فلاں جگہ لکھا ہے، یہ بات کیسی ہے، فلاں لفظ کیسا ہے، فلاں مسئلہ کیسا ہے۔ وغیرہ۔

عموماً یہ فطری بات ہوتی ہے کہ سب سے چھوٹا بچہ لاڈلا ہوتا ہے، لیکن اِس کے باوجود اُس میں سادگی شروع سے لے کر آخر تک رہی۔ جب وہ پروفیسر تھا تب بھی گھر کے کام کاج کے لیے جہاں اُس کو بھیجا جاتا، پیدل جا رہا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کوئی چیز اُٹھا کے لا رہا ہے۔ گندم پسوانی ہے، یہ سائیکل یا موٹر سائیکل پر پسوا لاتا۔ ایسے کام میں کبھی اُس نے عار محسوس نہ کی اگرچہ اُس کے بڑے دوست بھی آ کے بیٹھے ہوئے ہوں۔ بعض اوقات اُس کے اساتذہ بھی آ جاتے تھے۔ صبح صبح پیدل جا رہا ہے۔ ڈول ہاتھ میں پکڑا ہوا ہے۔ دودھ لا رہا ہے۔

صفوان: ذوالکفل نے اچھی تعلیم پائی۔ کیا وہ گھر کے بچوں کو تعلیمی حوالے سے رہنمائی بھی دیتے تھے؟

شاہ جی: وہ کسی پر اپنی رائے مسلط نہیں کرتا تھا۔ بات مشورہ تک ہی محدود ہوتی تھی۔ بس اُس کا ذوق یہی تھا کہ دینداری ہونی چاہیے اور جدید تعلیم بھی حاصل کرنی چاہیے۔ اپنے بھانجے، بھانجی، ماموں زاد عطاء المنان اور باقی بھی سب بچوں کو مشورہ دیتا رہتا تھا۔ میں خیرالمدارس میں ہوتا تھا تو ایک دفعہ وفاق المدارس العربیہ کا اجلاس تھا جس میں مفتی رفیع عثمانی بھی آئے ہوئے تھے۔ میں اتفاق سے وہاں بیٹھا تھا تو انگریزی تعلیم کی بات چل نکلی۔ مفتی رفیع صاحب نے کہا کہ ہمارے بزرگوں سے یہ غلطی ہوئی ہے۔ اُنھیں انگریزی زبان کی مخالفت نہیں کرنی چاہیے تھی۔ انگریزی نہ پڑھنے کی وجہ سے آج ہمیں قدم قدم پر پریشانی ہوتی ہے۔ مولوی عابد صاحب وہاں بیٹھے ہوئے تھے۔ کہنے لگے حضرت یہ بات درست نہیں ہے۔ بلکہ درست یوں ہے کہ ہمارے بزرگوں نے کبھی انگریزی زبان سے نفرت کا اظہار نہیں کیا۔ وہ یہ کہتے تھے کہ پہلے دین کی تعلیم کو ایسا مکمل کر لو اور اپنے اندر ایسے سمالو کہ اس پر کوئی دوسرا رنگ نہ چڑھے، ورنہ کچے رنگ کی صورت میں انگریزی غالب آ جاتی تھی اور بچے انگریزی کے ہو کر رہ جاتے تھے۔

تو یہی ذوالکفل کا نقطۂ نظر تھا کہ بچے اور ہمارے گھر کے افراد تعلیم حاصل کریں۔ اور انگریزی تعلیم ضرور ہونی چاہیے اِس لیے کہ اِس دور میں ہر کام انگریزی میں ہو رہا ہے۔ لیکن ساتھ دین بھی اِتنا ہی پختہ ہونا چاہیے۔ ویسے اُس کا اپنا مزاج یہ تھا کہ جب وہ کالج میں داخل ہوا تو ایک دین دشمن پروفیسر نے کہا تمھیں ٹوپی اُتارنی پڑے گی وگرنہ میں تمھیں اپنی جماعت میں بیٹھنے کی اجازت نہیں دوں گا۔ وہ میرے پاس آیا اور کہا کہ میرا سیکشن تبدیل کروا دیجیے۔ میں نے کوشش کر کے سیکشن تبدیل کروالیا۔ بعد میں جب اِدارے کے سربراہ کو اِس سارے قصے کا پتہ چلا تو اُس نے مجھ سے کہا آپ کو ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا، اُس کا تو کوئی قصور نہیں تھا۔ ذوالکفل تو رات کو سوتے وقت اپنی ٹوپی اتارے تو اتارے، ورنہ اُس کے سر سے ٹوپی نہیں اترتی تھی۔

یہ اُس کا مزاج تھا۔ وہ بچوں کو جدید تعلیم دلوانا چاہتا تھا۔ لیکن اِس کے ساتھ مشروط تھا کہ یہ پہلے دیندار ہوں، اور دینداری ایسی ہو کہ اُس پر کوئی اور رنگ نہ چڑھے۔ بچوں کے لیے ہمدرد کا ایک رسالہ ہے نونہال، وہ اُسے بڑا پسند تھا۔ دو لگوائے ہوئے تھے اُس نے۔ ایک اپنے گھر میں بچوں کے لیے اور دوسرا پیر جی کے گھر میں بچوں کے لیے۔ اِس لیے کہ یہ ایک دیندار مزاج کا اور معلوماتی رسالہ ہے۔ اِسی طرح اردو ٹھیک کرنے کے لیے اردو ڈائجسٹ پڑھنے کو بھی کہتا تھا۔ دیگر بھی کئی رسالے جن سے بچوں کی معلومات میں اضافہ ہو اور پڑھنے کا شوق پیدا ہو، اُن کی ترغیب دیتا۔

صفوان: بچے چیزوں کی فرمائش کیا کرتے ہیں۔ کیا ذوالکفل نے کتابوں کے علاوہ بھی کبھی کوئی چیز مانگی؟

شاہ جی: نہیں، بس ایک دفعہ جب وہ پروفیسر ہو گیا تو گورنمنٹ کالج آف ٹیکنالوجی جو شہر کے دوسرے حصے پر واقع ہے، وہاں تعیناتی ہوئی۔ تب اُس نے کہا کہ اگر موٹر سائیکل ہوتی تو اچھا تھا۔ ہم نے کہا ٹھیک ہے، اور موٹر سائیکل اُسے لے دیا۔ بس یہی ایک فرمائش ہے، اور تو مجھے کوئی یاد نہیں ہے۔ بچپن کی بھی۔

صفوان: مزاج کے اعتبار سے اُن کی کوئی انفرادیت؟

شاہ جی: ذوالکفل کے مزاج میں سادگی تھی۔ اُس کا کمرہ دیکھیں، لباس دیکھیں، بالکل سادہ۔ یہ نہیں تھا کہ میرا لباس اِس قسم کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہونا چاہیے یا میری چال ڈھال ایسی ہونی چاہیے۔ دوست احباب میں بھی بالکل ایسا سادہ ہی رہتا تھا۔ اُسے کسی قسم کا کوئی کمپلیکس نہیں تھا۔ تعلیم وتعلم اور جدید فکری رجحانات کے حوالے سے اُس کی اپنی ایک مستحکم رائے ضرور تھی۔ اصل میں تو وہ دہریت، لادینیت وغیرہ کے خلاف تھا اور اِس پر کام بھی کرنا چاہتا تھا کہ ہمارے بہت سے علمائے کرام جاہلیتِ جدیدہ کی شرانگیزیوں سے ناواقف ہیں۔ تو اِس سلسلے میں اُس کا خیال تھا کہ تیاری ضرور کرنی چاہیے۔ تو وہ اپنی وضع قطع ویسی ہی رکھ کے آگے آگے بڑھ رہا تھا۔ مشفق خواجہ صاحب یہاں تشریف لائے تو گیٹ پر ہی اُن سے ملاقات ہوئی۔ دورانِ گفتگو ذوالکفل نے حوالے دیے کہ میں نے آپ کی فلاں تحریر پڑھی ہے، فلاں تحریر پڑھی ہے۔ وہ اُس سے بہت متاثر ہوئے، حالانکہ وہ پاکستان کے بہت بڑے ادیب اور نقاد تھے۔ کہنے لگے کہ یار آپ کی شکل وصورت کچھ اور طرح کی ہے، اندر سے آپ کچھ اور ہیں۔ یہ جو آپ نے گلے میں کپڑے کا مفلر جو ڈال رکھا ہے اِسے ہٹادیں۔ تو ذوالکفل نے کہا کہ نہیں جی، یہ ایسے ہی رہے گا۔ وہ جہاں بھی گیا، اپنی وضع قطع نہیں بدلی۔ وہی رکھی۔ اُس نے جدید دنیا کے لوگوں کو اپنے قریب اکٹھا کرنے کی کوشش کی تاکہ اُن کا ایک مسلمانوں والا ذہن بن جائے۔ یہ تھی اُس کی ایک محنت۔ اِس کو آپ جو نام بھی دینا چاہیں دے سکتے ہیں۔

صفوان: ذوالکفل نے جب حضرت مولانا خواجہ خان محمد صاحب سے بیعت کی اُس کے بعد آپ نے اُس میں کوئی خاص تبدیلی دیکھی؟

شاہ جی: جی ہاں۔ بیعت کے بعد خاصی تبدیلی آئی اُس میں۔ عبادات کے سلسلے میں تو وہ پہلے بھی بڑا سنجیدہ تھا لیکن بیعت کے بعد عبادات میں یکسوئی آگئی۔ اور واقعی جیسے حدیثِ مبارکہ میں آتا ہے کہ نماز ایسے پڑھنی چاہیے کہ گویا آپ اللہ تبارک وتعالیٰ کو دیکھ رہے ہیں اور اگر یہ کیفیت حاصل نہیں ہوتی تو اِتنا ضرور تصور کریں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ آپ کو دیکھ رہے ہیں، اُس کی کیفیت ایسی ہی ہوتی تھی۔ وہ بڑے اہتمام کے ساتھ حضرت خواجہ صاحب مدظلہٗ کی خدمت میں جایا کرتا تھا۔ ایک دو اور اصحاب ہیں جیسے ڈاکٹر عنایت اللہ صاحب، مولانا حبیب الرحمٰن ہاشمی، حاجی جابر علی صاحب وغیرہ، اِن حضرات کا تعلق بھی حضرت خواجہ صاحب سے تھا، کئی بار اِن احباب کے ساتھ خانقاہ حاضری دیتا۔ دین کا جو علم ہے یعنی عربی کا، درسِ نظامی وغیرہ، اُس میں اُس نے کہیں داخلہ لیا نہ پڑھا۔ لیکن اُس نے ترجمۂ قرآن، علمِ حدیث وفقہ اور تفسیر پر بہت مطالعہ کیا اور جید علماء کی صحبت واستفادہ نے مزید رنگ چڑھایا۔ مولانا حبیب الرحمٰن ہاشمی صاحب سے اِس لیے بھی تعلق رکھا کہ میں اُن کے علم سے فیضیاب ہوتا رہوں۔

صفوان: یہ فرمایئے کہ ذوالکفل اپنی عمر اور علم میں بڑھے ہوئے لوگوں میں بہت اہتمام سے اُٹھتا بیٹھتا تھا۔ اِس بارے میں کچھ فرمائیں۔

شاہ جی: ذوالکفل کی دوستی ہم عمروں سے تو تھی ہی لیکن بڑی عمر کے لوگ بھی تھے اُس کے دوستوں میں۔ ایک بار تو وہ آپ کے ساتھ مولانا علی میاں رحمۃ اللہ علیہ سے بھی ملا۔ اتفاق یہ ہے کہ وہ ایسے لوگوں کے قریب گیا تھا جو واقعتاً قابلِ ستائش لوگ تھے۔ جتنے بھی اچھے ذہن والے لوگ تھے اُن کے ساتھ ہمیشہ رابطہ رکھا اُس نے۔ بزرگ اساتذہ جو علم وادب کے شہسوار تھے، اُن سے رابطہ رکھتا تھا۔ جہاں کہیں سے اُسے پتا چلتا تھا وہ ہمہ تن اُن کی مجلس میں موجود رہتا تھا۔ اِسی طرح سے عابد صدیق صاحب جب ملتان تشریف لاتے تو وہ پورا وقت اُن کے ساتھ صرف کرتا تھا۔ اور وہ بھی بڑی شفقت فرماتے تھے اُس پر۔ وہ بھی جب آتے تو پہلے یہی پوچھتے تھے کہ ذوالکفل کہاں ہے؟ اور جب ذوالکفل اُن کو مل جاتا تو وہ بھی خوش ہوجاتے تھے اور یہ بھی خوش ہوجاتا تھا۔ ڈاکٹر خورشید رضوی سے ذوالکفل کی ایک آدھ ہی ملاقات ہوئی۔ لیکن وہ بھی اُس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے بڑے مداح ہیں۔ ذوالکفل کا مزاج تھا ہی ایسا کہ جہاں اُسے پتا چلتا کہ فلاں آدمی علم وادب کا رسیا ہے تو وہ وہاں پہنچ جاتا۔ اُس سے استفادہ کرتا اور اپنی طرف سے جو اُس کی خدمت کرسکتا تھا، ہر اعتبار سے اُس میں بھی کوتاہی نہیں کرتا تھا۔

صفوان: ذوالکفل کے سعودیہ جانے کے بارے میں کچھ بتائیں۔

شاہ جی: ۲۰۰۲ء میں اُس نے وہاں ملازمت کے لیے درخواست دی تھی جو منظور ہوگئی۔ اور وہاں سے بلاوا آ گیا تو اُس وقت مجھے بتایا کہ میں نے Apply کیا تھا۔ میں جانا چاہتا ہوں۔ میں نے کہا ٹھیک ہے جاؤ، انٹرویو دے آؤ۔ انٹرویو دیا تو کامیاب ہوگیا۔ اُس کی والدہ نہیں چاہتی تھیں کہ وہ جائے۔ ویسے بھی گھریلو ماحول کچھ ایسا ہی تھا۔ حضرت امیرِ شریعت رحمۃ اللہ علیہ کا بھی تقریباً یہی مزاج تھا۔ مثلاً ہمارے مولوی یٰسین صاحب اُن کی بہت خدمت گزاری کرتے تھے۔ ایک دفعہ اُنھیں اخبار میں ایک اشتہار دیکھنے کا اتفاق ہوا کہ بورے والا ٹیکسٹائل ملز کی مسجد میں خطیب کی جگہ فارغ ہے، تو ارادہ کرلیا کہ وہاں جاتا ہوں۔ شاہ جی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اچھا بھئی، تم یہ سمجھتے ہو کہ یہاں خدا نہیں ہے وہاں خدا ہے۔ ذوالکفل کی والدہ نے بھی یہی کہا کہ دور جا رہے ہو۔ یہاں ملازمت موجود ہے، اللہ اُسی میں برکت دے گا۔ میں نے اُن سے اتفاق نہیں کیا۔ میں نے کہا کہ اُسے ضرور جانا چاہیے۔ کوئی اور شہر ہوتا، کوئی اور ملک ہوتا تو میں اختلاف کرتا لیکن مدینہ طیبہ، مکہ مکرمہ کی سرزمین میں یہ جائے گا تو اِس کے جانے سے ہمارے گناہوں کے اِزالے کی شاید کوئی صورت بن جائے، اِس لیے ضرور جانا چاہیے۔ اللہ نے کرم کیا۔ اُس کا کام بن گیا۔ وہاں جانے کے بعد حکومت نے اُسے تبوک ڈویژن میں بھیج دیا۔ پھر اُنھوں نے پوچھا ہاں جی، اب کون کون اپنی Option دیتا ہے۔ تو اُس نے وہاں مدینہ منورہ میں قاری عبداللطیف صاحب سے رابطہ کیا۔ اُنھوں نے کہا کہ تم اُملج کی آپشن دے دو، کہ اِس ڈویژن میں مدینہ منورہ سے قریب تر وہی علاقہ ہے۔ تو ذوالکفل نے وہی آپشن دیا۔ وہاں پاکستانی لوگ خاصے تھے۔ مانسہرہ کے قاری علی زمان صاحب بڑے مہربان تھے۔ اُنھوں نے رہائش تلاش کرنے میں بھی خاصی سہولت پیدا کردی، اپنے ساتھ ہی بندوبست کرادیا، تو چھے برس اُس نے وہاں گزارے۔ لیکن اُس کا شوق تھا کہ کسی نہ کسی طرح مدینہ منورہ یا مکہ مکرمہ میں کہیں ملازمت مل جائے۔ ۲۰۰۸ء میں اُس نے جامعہ ام القریٰ مکہ مکرمہ میں درخواست دی۔ انٹرویو اور ٹیسٹ میں کامیاب ہوگیا۔ اُم القریٰ میں سلیکشن ہوئی تو وہ اُملج کے سکول سے ملازمت چھوڑ کر چھٹیوں میں پاکستان آ گیا۔ اِس دوران کوئی تکنیکی مسئلہ پیدا ہوگیا اور اُم القریٰ سے اُس کا ویزہ نہ آیا۔ اُن دنوں وہ کافی تگ و دو کرتا رہا۔ ایک موقع پر مایوس بھی ہوگیا۔ تقریباً چھے مہینے وہ گھر پر رہا لیکن فارغ نہیں بیٹھا بلکہ مختلف کالجز میں پارٹ ٹائم پڑھاتا رہا۔ آخر اُس کی محنت بارآور ہوئی اور ام القریٰ سے ویزہ آ گیا۔ تقریباً چھے ماہ یونیورسٹی میں پڑھایا۔ وہ خود بھی بہت خوش تھا اور ہم بھی خوش تھے کہ وہ مکہ مکرمہ میں پہنچ گیا ہے۔ لیکن ایک ہوتی ہیں ہماری تمنائیں، ہماری آرزوئیں، خواہشات۔ اور ایک ہے اللہ تبارک وتعالیٰ کا اپنا نظام...... وہ مختلف ہے۔

صفوان: ذوالکفل جب آخری بار گئے ہیں اُس وقت کی کوئی خاص بات آپ کے ذہن میں ہو؟

شاہ جی: عیدالاضحیٰ کے بعد جمعہ پڑھ کر اُس نے جانا تھا۔ نماز کے بعد اپنی والدہ، بہنوں اور بچوں اور سب گھر والوں کو مل کر وہ جب بھی جاتا تو میری کوشش ہوتی کہ میں بھی مشایعت کے لیے چلوں۔ گھر سے باہر رخصت کرنے تو عموماً جاتا تھا۔ اِس مرتبہ میں نے بھی ائرپورٹ تک جانے کی خواہش کی لیکن کفیل شاہ نے کہا کہ اِن دنوں سکیورٹی والے آگے نہیں جانے دیتے۔ ہم بھی جلدی آجائیں گے۔ جیسے آپ کی مرضی۔ میں نے کہا ٹھیک ہے۔ میں نہیں گیا اور حسبِ معمول باہر سڑک تک اُسے رخصت کرنے آیا۔ لیکن یہ تو معلوم نہ تھا کہ یہ آخری ملاقات ہے۔ دوسرے تیسرے دن عام طور پر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فون پہ بات ہوجاتی تھی اور وہ اپنی خیریت سے مطلع کرتا رہتا تھا۔ پندرہ بیس دنوں بعد اُس کے بچوں کا بھی ویزہ آ گیا اور وہ بھی مکہ مکرمہ اُس کے پاس چلے گئے۔ تقریباً بیس دن وہ اپنے بچوں کے ساتھ رہا۔ اور بہت خوش تھا۔ وہ اپنے عزیزوں اور دوستوں سے جن کے بارے میں پتا چلتا کہ وہ اِس مرتبہ حج پہ آ رہے ہیں، کہتا کہ میرے ہاں ٹھہرنا ہوگا۔ یعنی یہ اُس کا مزاج تھا۔ وہ املج میں تھا تو وہاں تبلیغی جماعت کی پوری بس چلی گئی۔ وہ سب کو گھر لے آیا۔ کھانے کا اہتمام کیا۔ دوست احباب کے لیے تو یہاں بھی کبھی نہ کبھی وہ اہتمام کرتا تھا۔ یہ اُس کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے خصوصیت عطا کی تھی کہ دل کھول کے خرچ کرتا تھا۔ وہاں بھی ایسے ہی کرتا رہا۔ اتفاق سے جب اُس کی وفات ہوئی ہے اُن دنوں میرا چھوٹا بھائی مصطفیٰ شاہ تبلیغی جماعت کے ساتھ حج کے لیے گیا ہوا تھا۔ اُس سے پہلے ملاقات بھی ہوتی رہی۔ گھر بھی آتا جاتا رہا۔ تو بڑا خوش تھا وہ وہاں پر۔ یہ اُس کی بڑی خواہش ہوتی تھی کہ اگر کوئی دوست یا ملنے والا آئے تو میرے پاس ہی آئے۔ میں ہی اُس کی خدمت کی سعادت حاصل کروں۔ گھر بھی مناسب لیا کہ جس میں لوگ ٹھہر سکیں۔ ۱۵/ نومبر اتوار کو اُس کا یہ حادثہ ہوا ہے۔ دو روز کے بعد منگل کو اُس نے اپنے احباب کو لیگز کی دعوت رکھی ہوئی تھی۔ بلکہ میں نے سنا ہے کہ جب وہ جاتا تو دوسرے پروفیسر دوست اُس کے ساتھ ہوتے تھے، اکیلا نہیں جاتا تھا۔ اکٹھے جاتے تھے اکٹھے ہی واپس آتے تھے۔ اُس روز اُس کا ایک پیریڈ فارغ تھا۔ اللہ جانے کس بنیاد پر۔ اُس نے کہا کہ میں جاتا ہوں۔ گھر سامان وغیرہ لے کر دے دوں گا پرسوں (دعوت) کے لیے جس کی ضرورت ہے۔ احباب کو اکٹھے کرنا اُس کا خاص ذوق اور شوق تھا۔ جیسے یہاں اُس نے علم وادب کے سلسلے میں فاران اکادمی کو جو ختم ہوچکی تھی، نسیاً منسیاً ہوگئی تھی، از سرِ نو اُس نے زندہ کیا۔ تو وہاں بھی جا کے اُس نے عالمی اردو مرکز جدہ کے احباب سے رابطہ کرلیا۔ اردو نیوز یا حلقۂ ادب وغیرہ میں بھی اُس نے جان ڈالی اور بڑا متحرک رہا۔ اُس کی وجہ سے وہاں کے احباب بڑے خوش تھے۔ ظہر کی نماز یونیورسٹی کی مسجد میں ادا کر کے گھر کے لیے نکلا ہی تھا کہ راستے میں حادثہ ہوگیا۔

صفوان: ذوالکفل کے ذاتی کتب خانے میں بہت کتابیں تھیں، وہ کیسے جمع کیں؟ کیا اُس کے لیے مالی معاونت آپ فراہم کرتے تھے؟

شاہ جی: ہم سے اُس نے کبھی پیسے مانگے ہی نہ تھے۔ جیسا میں نے پہلے عرض کیا کہ بھائی عطاء المحسن مرحوم اُس کی خواہشات کی تکمیل کرتے رہتے تھے۔ اماں جی (نانی اماں) بھی اُس کا بہت خیال رکھتی تھیں۔ میرے خیال میں تو اُس کو مانگنے کی ضرورت پڑتی ہی نہ تھی۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے ہی اُس کا ایسا سلسلہ بن جاتا تھا اور وہ حسبِ ذوق اپنے لیے کتابیں اکٹھی کرلیا کرتا تھا۔

صفوان: آخری دن حادثے کی اطلاع کے بارے میں کچھ بتائیں گے؟

شاہ جی: میں اُس وقت مغرب سے پہلے اپنے کمرے میں بیٹھا تھا کہ مجھے میری بیٹی نے اطلاع دی کہ اِس طرح سے ٹیلی فون پر خبر آئی ہے کہ ذوالکفل کا ایکسیڈنٹ ہوگیا ہے۔ میرے ذہن میں یہ نہیں تھا کہ کوئی اِتنا شدید حادثہ ہوا ہوگا۔ میں نے کہا اللہ تبارک وتعالیٰ کرم کریں گے۔ نماز کے بعد میں مدرسے کے دفتر میں بیٹھا تھا۔ تھوڑی ہی دیر بعد کفیل شاہ کو فون آیا تو یہ رونے لگ گیا، اور بتایا کہ ذوالکفل کا انتقال ہوگیا ہے۔ بس پھر طبعی طور پر انسان پر جو گزرتی ہے وہ تو ہونا ہی ہوتا ہے۔ پھر ذوالکفل کے دوستوں سے مکہ مکرمہ میں مسلسل رابطہ رہا۔ اُنھوں نے کہا کہ ہم آپ کو صورتِ حال سے مطلع کرتے رہیں گے۔ رات کو بھی وہ بتاتے رہے۔ دوستوں نے بڑی جدوجہد کی۔ تہجد کے وقت جب وہ جنازے کے لیے حرم شریف لے کر گئے تو اُس وقت بھی دوستوں نے فون کیا۔ فجر کے بعد بتایا کہ اِس وقت بیس لاکھ افراد حرم میں موجود

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہیں۔ اور اب ہم بخاری بھائی کی نمازِ جنازہ پڑھنے لگے ہیں۔ حج کا سیزن شروع ہو چکا تھا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کی کرم نوازی تھی کہ اُس کو اِتنے مقتدی مل گئے۔ پھر وہ جنت المعلیٰ میں دفن کرنا چاہتے تھے۔ وہاں کئی رکاوٹیں تھیں کہ وہ غیر ملکی کو وہاں عموماً دفن نہیں ہونے دیتے۔ ویسے بھی بہت محدود داخلہ ہوتا ہے وہاں۔ اُس روز فجر کی نماز میں ۱۴ جنازے تھے۔ ایک ذوالکفل کا اور ۱۳ دوسرے۔ اللہ تعالیٰ سب کی مغفرت فرمائے۔ جنت المعلیٰ میں دفن کیے جانے کا سلسلہ نہیں بن رہا تھا، لیکن سب دوستوں کی محنت سے یہ مشکل مرحلہ بھی اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے طے ہو گیا۔

صفوان: آپ کے ذہن میں یہ تو نہیں آیا کہ میت پاکستان میں لے آئیں؟

شاہ جی: نہیں نہیں! یہ میرے ذہن میں تھا ہی نہیں۔ بلکہ میری بھی یہی خواہش تھی کہ جب وفات وہاں ہوئی ہے تو اِس سے بڑھ کر اور کیا سعادت ہے...... بے چارے کئی لوگ وہاں بیٹھے رہتے ہیں ساری عمر اس آرزو کے ساتھ کہ اللہ میاں ہمیں یہاں موت دے اور ہم یہاں دفن ہوں۔ ذوالکفل کی بھی یہی آرزو تھی۔ ہمارا ایک عزیز ہے حسنی مبارک۔ وہ وہیں تھا۔ اُس کا ذوالکفل سے دوستانہ تھا۔ اُس نے بتایا کہ جدہ میں ہمارے ایک مشترک شاعر دوست طاہر جمیل تھے۔ اُن کا انتقال ہو گیا تو میں نے کہا کہ شاہ جی! اب تو مجھے موت سے بہت ڈر لگتا ہے۔ شاہ جی یہ بتایئے کہ اگر موت آئے تو کیا یہیں دفن ہونا چاہیے؟ کہنے لگے اگر موت یہاں حرمین کی قربت میں آئے پھر تو یہیں دفن ہونا چاہیے کہ یہی سعادت ہے، البتہ باہر کہیں ہو تو پھر تو اپنا دیس ہی اچھا ہے۔ تو وہاں کے محکمہ نے جب پوچھا ہے اُن کی اہلیہ سے تو اُنھوں نے یہی کہا کہ اُن کی تمنا یہی تھی کہ میرا انتقال یہاں ہو تو میری تدفین بھی یہیں ہو، الحمدللہ اُس کی آرزو پوری ہو گئی...... تو اِن ۱۴ میتوں میں سے صرف ۳ کو اجازت ملی وہاں جنت المعلیٰ میں دفن ہونے کی۔ اُس میں ۲ خواتین تھیں جو عرب نیشنل تھیں۔ یہ اکیلا ہی غیر ملکی تھا۔ پھر اللہ میاں نے یہ بھی مہربانی کی کہ اُس کا چچا وہاں گیا ہوا تھا اور اُس کی خواہش تھی کہ وہ کسی طرح غسل دینے میں شریک ہو جائے۔ وہاں محکمے والے خود ہی تدفین، غسل وغیرہ کا اہتمام کرتے ہیں۔ اِس شعبے کا جو انچارج تھا، اُنھوں نے اُس کا تعارف کرایا۔ ذوالکفل کے ساتھیوں نے کہا کہ یہ اِس کا چچا ہے۔ اِس کی بڑی آرزو ہے۔ اُنھوں نے کہا ٹھیک ہے یہ بھی آجائیں۔ پھر اپنے ساتھیوں نے مل جل کر غسل دیا۔ یہ بھی اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے خصوصی عنایت تھی۔

صفوان: کوئی اور بات جو آپ بتانا چاہیں ذوالکفل کے حوالے سے، ذاتی حوالے سے، گھر کے حوالے سے؟

شاہ جی: ذوالکفل کے ساتھ ہماری بڑی بڑی امیدیں وابستہ تھیں۔ وہ بہت علم و فکر والا شخص تھا۔ بھائی عطاء المحسن مرحوم اُس کے علمی ذوق اور معیار کو دیکھ کر تحسیناً کہا کرتے تھے کہ اگر یہ اباجی (حضرت امیر شریعتؒ) کی زندگی میں ہوتا تو ہمارا مقام تو کہیں نہ ہوتا۔

ذوالکفل کے جانے سے خاندان میں ایک بڑا خلا پیدا ہو گیا ہے۔ اُس کے بچوں سے سبھی محبت کرتے ہیں اور وہ سب سے مانوس ہیں۔ اللہ تعالیٰ اُنھیں سلامت رکھے اور اپنے والد کی خوبیاں عطا فرمائے۔ میرا نواسہ اور ذوالکفل کا بھانجا عزیزم صبیح الحسن سوجھ بوجھ، پڑھنے والا اور محنتی ہے۔ اُس پر مرحوم نے بہت محنت کی تھی۔ میرا بھانجا عطاء المنان ہے۔ یہ دونوں نوجوان عالم، حافظ اور جدید تعلیم یافتہ ہیں۔ اِن سب بچوں سے اچھی امیدیں وابستہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ اُنھیں صالح بنائے اور اِن کے علم و عمل کو مرحوم ذوالکفل کے لیے صدقۂ جاریہ بنائے۔ وہ اِن بچوں کی تعلیم و تربیت کے لیے بہت فکر مند رہتا تھا۔

© rasailojaraid.com